چودھویں صدی کے
مجدّد کو مسیح موعود
کا نام کیوں دیا گیا؟

مفسّرِ قرآن علامہ مولانا محمد علی لاہوریؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چودھویں صدی کے مجدّد
کو
مسیح موعود کا نام کیوں دیا گیا؟

از رشحات قلم

مفسّر علّام حضرت مولانا محمد علی لاہوریؒ

مسیح موعود کا نام مجدد صدچہاردہم کو کیوں دیا گیا:

اندرونی مفاسد کی اصلاح کے سلسلے میں اور بھی بہت سے کام آتے ہیں جو حضرت مرزاغلام احمد صاحب قادیانی علیہ الرحمۃ نے بحیثیت مجدد کئے۔(دیکھو ہماری تالیفات ''احمدیت کے تجدّیدی کارنامے''۔''احمدیت نے کیادیا؟'' وغیرہ ۔ویب ماسٹر) لیکن ان تفصیلات کو چھوڑ کر اب میں مجدد کے کام کے دوسرے پہلو کو پیش کرتا ہوں جو بیرونی مفاسد سے تعلق رکھتا ہے۔بہت سے لوگ ہیں

جن کا یہ خیال ہے کہ آپ کا دعوٰی مسیح موعود آپ کے دعوٰی مجدد پر کوئی ترقی ہے جو بعد میں آپ نے کی۔ کیونکہ مجدد ہونے کا دعوٰی آپ نے 1300ھ میں کیا۔اور مسیح موعود ہونے کا دعوٰی 1308ھ میں کیا۔اس وجہ سے یہ خیال کرلیا گیا ہے کہ آپ تدریجاً نئے نئے دعوے پیش کرتے جاتے تھے۔ یہ ایک بڑی بھاری غلط فہمی ہے۔ آپ کا مسیح موعود کا دعوٰی مجدد کے دعوٰی سے الگ نہ تھا۔ بلکہ مسیح موعود کا دعوٰی مجددیت کے دعوٰی کا ہی دوسرا نام تھا۔ جو اندرونی مفاسد کی اصلاح نہیں بلکہ بیرونی فتن کے سدباب سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ 1300ھ میں جب آپ نے دعوٰی مجدد کیا تو اس کے الفاظ یہ تھے:

''اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں۔اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے۔''

فی الحقیقت مسیح موعود کے دعوٰی کے نیچے اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس مجدد صدچہاردہم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک شدید روحانی مشابہت ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح آپ نے خود اپنی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام''میں فرمائی ہے:

''اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح موعود ہونے کا دعوٰی ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعوٰی سے کچھ بڑا نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جس کو یہ رُتبہ حاصل ہو کہ وہ خداتعالیٰ کا ہم کلام ہو اس کا نام منجانب اللہ خواہ مثیل مسیح ہو اور خواہ مثیل موسیٰ ہو یہ تمام نام اس کے حق میں جائز ہیں۔ جس شخص کو مکالمہ الٰہیہ کی فضیلت حاصل ہو گئی۔ اور کسی خدمت دین کے لئے مامور من اللہ ہو گیا تو اللہ جلشانہٗ وقت کے مناسب حال کوئی نام اس کا رکھ سکتا ہے...... اس زمانہ کے مجدد وقت کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کا غلبہ توڑنا اور ان کے حملوں کو دفع کرنا اور ان کے فلسفہ کو جو مخالف قرآن ہے دلائل قویہ کے ساتھ توڑنا اور ان پر اسلام کی حجت پوری کرنا ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی آفت اس زمانہ میں اسلام کے لئے، جو بغیر تائید الٰہی دور نہیں ہو سکتی، عیسائیوں کے فلسفیانہ حملے اور مذہبی نکتہ چینیاں ہیں۔ جن کے دور کرنے کے لئے ضرور تھا کہ خداتعالیٰ کی طرف سے کوئی آوے۔'' (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 340)

بیرونی فتن میں سے عیسائیت کا فتنہ اسلام کے لئے سخت ترین ہے:

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں اسلام کا مقابلہ ایک مذہب سے نہیں بلکہ سب

مذاہب سے ہے۔اور کم و بیش اسلام کو یہ مقابلہ پہلے بھی پیش آتا رہا ہے۔ لیکن یہ وہ زمانہ ہے، اور اس نے پہلے ایسا کوئی زمانہ اسلام پر نہیں آیا، جب عیسائیت نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کا تہیہ کیا ہو۔اس سے پیشتر اسلام اور عیسائیت کی ملکی رنگ میں بڑی بھاری جنگ رہی جو صلیبی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن جو کچھ سامان اسلام کو بحیثیت مذہب مٹانے کے لئے اس زمانہ میں کیا ہے۔اور جس طرح پر روپیہ اس غرض کے لئے پانی کی طرح بہایا جارہا ہے۔اور پادریوں کی فوجیں تمام اسلامی ممالک پر حملہ آور ہورہی ہیں اور مفت لٹریچر کثرت کے ساتھ پھیلایا جارہا ہے۔اور طرح طرح کے لالچ دے کر لوگوں کو پھسلایا جاتا ہے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خود مسیحی پادریوں نے اس بات کو محسوس کیا ہے اور بار بار دہرایا ہے کہ دنیا میں غیر مسیحی مذہب تو بہت ہیں مگر Anti Christian یعنی عیسائیت کا مدمقابل صرف ایک ہے۔ یعنی اسلام۔ آج دنیا کے واقعات کو ایک سرسری نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ باوجود مسلمانوں کی ہر قسم کی کمزوری کے ایک عظیم الشان مقابلہ اسلام اور عیسائیت کا اس وقت لگا ہوا ہے اور گو ساز و سامان کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کا ہاتھ اوپر ہے۔ لیکن دوسری طرف عیسائیت کے اصول خود بخود گرتے چلے جارہے ہیں۔ یہ تو بہر حال آج کی بات ہے۔ لیکن

آج سے قریباً ساٹھ سال پیشتر جب حضرت مرزا صاحب نے مقابلہ مذاہب کے میدان میں قدم رکھا تو آپ کی توجہ سب سے بڑھ کر عیسائی مذہب کی طرف ہی رہی۔ 1864ء میں جب آپ سیالکوٹ میں ملازم تھے اور جس پر آج قریباً ستر سال کا عرصہ گذرتا ہے عیسائی پادریوں کے ساتھ آپ برابر مباحث میں لگے رہتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی عیسائیت کے خلاف آپ کے مضامین نکلتے رہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اگر ایک طرف آپ دعوٰی مجددیت کے ساتھ ہی یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ آپ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ اشد روحانی مناسبت ہے تو دوسری طرف اس سے بھی مدت پیشتر عملی رنگ میں آپ کی طبیعت کا رجحان بھی اسی طرف زبردست تھا کہ عیسائیت کا مقابلہ کیا جائے۔ اور اسلام کی روشنی کو عیسائی ممالک میں پھیلانے کا جذبہ روزبروز آپ کے اندر اس قدر قوت پکڑتا گیا کہ بالآخر آپ کی جماعت میں اسی جذبہ نے سب سے نمایاں رنگ اختیار کیا۔ غرض دعوٰی سے پیشتر ہی مسیح موعود کا عملی کام آپ کے اندر ظاہر ہو چکا تھا۔

احادیث میں مسیح کی آمد کا ذکر:

مسیح موعود سے کیا مراد ہے اور شرعی نقطۂ نگاہ سے مسیح موعود کی آمد کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ یہ وہ سوال ہے جو اس بحث میں سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے۔

احادیث نبویؐ میں عیسیٰ ابن مریم یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے اس اُمت میں آنے کا ذکر ہے۔ بخاری میں نزول ابن مریم کی حدیث صرف حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے تین جگہ آئی ہے۔ کتاب البیوع (34) اور کتاب المظالم (46) میں اور کتاب الانبیاء (60) میں۔ آخری موقعہ پر باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ماتحت یہ حدیث ان الفاظ میں آئی ہے:

'والّذی نفسی بیدہٖ لیوشکنّ ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر و یضع الحرب ویفیض المال حتّٰی لا یقبلہ احد حتّٰی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرًا من الدنیا و مافیھا۔''

ترجمہ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ ابن مریم تم میں نازل ہو حکم و عدل ہو کر۔ پس وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا اور لڑائی کو موقوف کرے گا۔ اور مال بہت ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گا۔

اور پھر ان الفاظ میں کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم یعنی تمہاری کیا حالت ہو گی جب ابن مریم تم میں نازل ہو گا۔ اور وہ تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔

پہلے دو موقعہ پر اول روایت سے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ سوائے اس کے کہ عدلا کی جگہ مقسطا ہے۔ اور یضع الحرب کی جگہ یضع الجزیّہ ہے۔ اور آخری الفاظ حتّٰی تکون سے آخر تک نہیں ہیں۔ صحیح مسلم میں بھی متفرق مقامات

پر عیسیٰ بن مریم کے نزول کی احادیث ہیں۔ ایک جگہ الفاظ بخاری کی پہلی دو روایتوں کے ہیں۔ ایک جگہ بخاری کی مختصر سب سے آخری روایت کے ہیں۔ اور بعض جگہ یوں الفاظ ہیں **کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامّکم** تمہاری کیا حالت ہو گی جب ابن مریم تم میں نازل ہو گا پس وہ تمہارا امام ہو گا۔ اور ایک روایت میں آخر پر **فامّکم** کے بجائے **فامّکم منکم** ہے (پس وہ تمہارا امام تم میں سے ہو گا) اور ایک راویت جابر بن عبداللہ ؓ کی ہے اور ایسا ہی اور کئی صحابہ ؓ سے اس قسم کی روایات ہیں جن میں عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے۔ مثلاً ابن عمر ؓ، انس ؓ، ثوبان ؓ وغیر ہم۔

آنے والے مسیح مسلمانوں سے ہی ہیں:

اگر صرف ہم ان احادیث کو ہی لیں تو ان میں ایک عجیب بات نظر آتی ہے کہ باوجودیکہ ذکر تو یہاں نزول ابن مریم کا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ مختلف قسم کے الفاظ بڑھائے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن امریم اس اُمت محمدیہ میں سے ہی پیدا ہوں گے۔ یہ الفاظ حسب ذیل ہیں وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ ۔ فَاَمَّکُمْ۔ فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ۔ پہلے الفاظ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کے معنے عموماً یوں سمجھے گئے ہیں کہ تمہارا امام تم میں سے (کوئی اور) ہو گا۔ اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ مراد اس سے مہدی ہے۔ مگر اس کے خلاف دو زبردست باتیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ احادیث جن میں لفظ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ آتے ہیں بخاری اور مسلم کے ہیں۔ اور بخاری اور مسلم میں مہدی

کے آنے کا قطعاً ذکر نہیں۔ جب بخاری اور مسلم مہدی کے آنے کو ہی نہیں مانتے تو ان کے نزدیک ان الفاظ کے یہ معنے بھی نہیں ہوسکتے کہ مہدی اس وقت امام ہوں گے۔ مگر اس سے بھی زیادہ صاف بات یہ ہے کہ مسلم نے اگر الفاظ **وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ** کی روایت کی ہے تو اس کے ساتھ ہی اور الفاظ کے بھی روایت کی ہے۔ جن کے معنے سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہوسکتے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم جو آنے والے ہیں وہ تم ہی میں سے یعنی اُمت محمدیہ میں سے ہی تمہارے امام ہیں۔ یعنی باہر سے نہیں آئیں گے۔ مسلم کے لفظ دو طرح پر ہیں **کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا اَنْزَلَ فیکم ابن مریم فامکم** تمہاری کیا حالت ہو گی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے پس وہ تمہارے امام ہوں گے۔ اور **کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فیکم ابن مریم فامّکم** تمہاری کیا حالت ہو گی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور وہ تمہارے امام تمہیں میں سے ہوں گے۔ اب **اَمّکُمْ** یا **اَمّکُمْ مِنْکُمْ** دونوں جملے صراحت سے بتارہے ہیں کہ یہ عیسیٰ ابن مریم جن کے نزول کا ذکر ہے مسلمانوں کے امام ہیں اور اُمت محمدیہ میں سے ہی ہیں۔ **مِنْکُمْ** باہر سے نہیں۔ کسی اور اُمت میں سے نہیں آئے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس نزول کے ساتھ **کَیْفَ اَنْتُمْ** کے الفاظ فرمائے ہیں۔ جو تعجب کے لئے ہیں۔ تمہاری اس وقت کیا حالت ہو گی اور اس تعجب میں یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا خیال تو یہ ہو گا کہ ابن مریم باہر

سے آئیں مگر وہ تمہیں میں سے ہوں گے۔ پس یہی معنے وَاِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ کے بھی ہیں۔ کہ آنے والے عیسیٰ مسلمانوں میں سے ہیں اور مسلمانوں کے امام ہیں اور ظاہر ہے کہ مجدد اپنے وقت کا امام ہوتا ہے اور یہ ان کے مجدد ہونے کی طرف ہی اشارہ ہے۔

قرآن کریم کی شہادت کہ اس اُمت کا مسیح اس اُمت میں سے ہی ہو گا:

احادیث تو قرآن کریم کی ہی تفسیر ہیں اور قرآن کریم کی شہادت سب سے بڑھ کر ہے۔ جب ہم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو خلفاء آئیں گے وہ اُمت محمدیہ میں سے ہی ہوں گے۔ چنانچہ سورہ النور میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ صریح الفاظ میں ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (55:24) اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے جو تم میں سے، ایمان لائے اور اچھے کام کرتے ہیں، وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفے بنائے گا۔ ان کی مانند جنہیں ان سے پہلے خلیفے بنایا۔ ان پہلوں سے مراد بنی اسرائیل لئے گئے ہیں۔ یعنی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا گیا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (15:73)

اسی طرح خلفاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل خلفاء موسیٰ قرار دیا گیا۔ پس یہ آیت اس بات کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ اس اُمت میں خود حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائیں جو خلفائے موسیٰ میں سے ہیں۔ بلکہ آیت کا صریح مطلب یہ ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ کی اُمت میں مسیح علیہ السلام آئے تھے انہی کے مثیل کوئی مسیح اس اُمت محمدیہ میں آئے۔ بالفاظ دیگر آیت قرآنی کا منشاء یہ ہے کہ اس اُمت میں مثیل عیسیٰ آئے اور خود حضرت عیسیٰ کے تشریف لانے کے یہ آیت متحمل نہیں ہو سکتی۔

دوسری شہادت:

دوسری شہادت اسی امر کے متعلق یہ ہے کہ قرآن کریم نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن کریم کی تصریح کے مطابق نبی تھے۔ پس یہ ناممکن ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئیں۔ اور اگر وہ آئیں تو خاتم النبیّن حضرت عیسیٰ ہوں گے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ نبوت کا خاتمہ اس پر ہو گا جو سب سے پیچھے دنیا میں آئے۔ اور یہ خیال، کہ گو سب سے پیچھے حضرت عیسیٰ آئیں مگر بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیچھے ہے اس لئے وہ آخری نبی ہیں، باطل ہے۔ فرض کرو ایک میدان کو فتح کرنے کی ضرورت ہے۔ تو اس میدان کا آخری جرنیل وہ نہیں ہو گا

جس کے مقرر کئے جانے کی تاریخ پیچھے ہو۔ بلکہ وہ ہو گا جس نے بالآخر اس میدان کو فتح کیا۔ اگر زید اور بکر دو جرنیل ہوں۔ زید کا تقرر پہلے ہو اور بکر کا بعد میں۔ اور زید ابھی زندہ تھا کہ بکر کا انتقال ہو گیا۔ اور زید نے ہی بالآخر اس میدان کو فتح کیا۔ تو کوئی عقلمند بکر کو آخری جرنیل نہیں کہے گا۔ بلکہ سب لوگ زید کو ہی آخری جرنیل کہیں گے۔ جو سب سے پیچھے جرنیل کا کام کرتا رہا۔ اسی طرح اگر حضرت عیسیٰ نبی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آجائیں اور دین کا غلبہ انہی کے ہاتھ پر ہو تو آخری نبی وہی کہلائیں گے۔ علاوہ ازیں ایک اور امر بھی حضرت عیسیٰ نبی اللہ کے آنے میں مانع ہے کہ حضرت عیسیٰ کو قرآن کریم نے صاف طور پر رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (48:3) کہا ہے تو وہ دوسری کسی قوم کی طرف رسول نہیں ہو سکتے۔ اس لئے بھی وہ اُمت محمدیہ میں نہیں آسکتے۔ تیسری دقت اس بارے میں یہ ہے کہ نبی نبوت کے کسی کام کے لئے ہی بھیجا جاتا ہے۔ پس اگر یہ مانا جائے کہ حضرت عیسیٰ نبی اللہ آنے والے ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نبوت کے کام کی تکمیل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے نہیں ہوئی اور یہ صریح نص قرآنی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (3:5) کے خلاف ہے۔ انہی مجبوریوں کی وجہ سے اہل تحقیق کو یہ ماننا پڑا ہے کہ حضرت عیسیٰ رسول نہیں بلکہ مجدد ہو کر آئیں گے۔ جیسے فتح البیان میں ہے حِیْنَ یَنْزِلُ یَنْزِلُ عَامِلًا عَلٰی

شَرِیْعَةِ مُحَمَّد صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کَاَنَّہٗ بَعْضُ اُمَّتِہٖ یا جیسے فتح الباری میں ہے یَکُوْنُ عِیْسٰی حَاکِمًا مِّنْ حُکَّامِ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ لیکن اس میں بھی کئی قسم کی دقتیں ہیں۔ اول تو یہ بات ہی بے معنی ہے کہ نہ نبوت کا کوئی کام باقی ہے نہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو دو ہزار سال سے زندہ رکھا ہوا ہے کہ اسے پھر دنیا میں بھیجا جائے۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ نبوت کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوئی۔ اور نہ دین کامل ہوا تو پھر مسیح آئے گا اور نبی ہو کر آئے گا۔ اور اگر مسیح نے مجدد ہو کر ہی آنا ہے تو یہ بات ہی بالکل بے معنی ہے کہ مجدد کے کام کے لئے ایک نبی کو زندہ رکھا جائے۔ اور دوسری دقت یہ ہے کہ اگر وہ مجدد ہو کر آئیں تو نبوت کے کام سے الگ ہو کر آئیں گے۔ تو حضرت مسیح کا نبوت سے معزول کیا جانا بھی بے معنی ہے۔ نبی کا فوت ہو جانا بھی سنت الٰہی ہے۔ اس کے زمانہ کا ختم ہو جانا بھی قابل تسلیم ہے۔ لیکن اس کا نبوت سے معزول کیا جانا یہ بالکل خلاف اصول دین ہے۔ اور ان ساری باتوں کے باوجود ابھی یہ دقت باقی رہتی ہے کہ اگر حضرت مسیح نے شریعت محمدیہ پر عمل کرنا ہے اور قرآن کریم اور حدیث کے مطابق ہی فیصلے صادر کرنے ہیں تو قرآن کریم اور حدیث کی تعلیم وہ کس طرح حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون دو ہی طرح پر ہے ایک وہ علم جو وہ بذریعہ وحی عطا کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو انسان بذریعہ

اکتساب کرتا ہے۔ اب اگر وہ قرآن و حدیث کا سارا علم بذریعہ وحی حاصل کریں تو ان کی نبوت میں کیا شبہ رہا اور اگر بذریعہ اکتساب کریں تو آسمان سے اُتر کر پہلے کئی سال قرآن و حدیث پڑھنا پڑے گا۔ بلکہ پہلے عربی زبان کی تحصیل کرنی ہو گی۔ غرض حضرت مسیح کا دوبارہ اس دنیا میں آنا تمام محکمات قرآنی کو باطل کرتا ہے۔ اس لئے لازماً ہمیں نزول ابن مریم کی تاویل کرنی پڑے گی۔

قرآن کریم سے تیسری شہادت
کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر مفصل بحث میں نے کتاب ''مسیح موعود''میں کی ہے (ہمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہے ۔ویب ماسٹر)۔ یہاں میں صرف مختصراً قرآن کریم کی ان آیات کا حوالہ دیتا ہوں جن سے صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

اول كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (117:5) اور میں ان پر (یعنی اپنے پیروؤں پر) گواہ تھا جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان پر نگہبان تھا۔ یہ جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں ہے ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ (116:5) کیا تُو نے لوگوں سے

کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو۔ یعنی سوال حضرت عیسیٰ کی اُمت کے باطل عقیدہ کے متعلق تھا۔ جس کے رو سے اُنھوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا بنالیا تھا۔ اور جواب یہ ہے کہ جب تک میں ان میں رہا میں ان پر گواہ تھا۔ یعنی ان کا عقیدہ نہیں بگڑا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تجھ کو ہی خبر ہے کہ اُنہوں نے کیا عقیدہ بنالیا۔ اس آیت سے بصراحت ثابت ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ لسلام فوت نہیں ہوگئے اس وقت تک ان کی خدائی کا عقیدہ بھی نہیں بنا۔ پس اگر قرآن کریم کے نزول سے پہلے حضرت عیسیٰ کی خدائی کا عقیدہ بن چکا تھا اور اگر یہ ذکر قرآن شریف میں موجود ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات بھی پاچکے تھے۔ یہ نتیجہ ایسا بدیہی ہے کہ کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کی بداہت کو بخاری کی حدیث اور بھی واضح کرتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض آپ کی اُمت کے لوگ دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے تو بعینہٖ وہی آپ عرض کریں گے جو اوپر حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب ہے دیکھو بخاری کتاب التفسیر باب قولہ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (117:5)

دوم۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (144:3) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف رسول ہیں۔ آپ سے پہلے سب رسول گزر چکے۔

یہاں ال استغراقی ہے۔ اور کسی صورت میں معنے نہیں بنتے سوائے اس کے کہ الرسل کے معنے سب رسول لئے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت ابو بکرؓ نے اسی آیت سے آپ کی وفات پر دلیل لی۔ یعنی جب پہلے سب رسول فوت ہو چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت ہو جانا بھی سنت الٰہی کے مطابق ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ کچھ رسول فوت ہو گئے تو صحابہ میں سے جو لوگ یہ کہتے تھے کہ آپ فوت نہیں ہوئے وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ جب بعض رسول ابھی زندہ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ رہنے چاہئیں۔

سوم۔ **مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ** (75:5) مسیح ابن مریم صرف ایک رسول تھے ان سے پہلے سب رسول گذر چکے اور ان کی ماں راستباز تھیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ یہ الفاظ حضرت مسیح کی خدائی کے ابطال کے لئے لائے گئے ہیں۔ اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جس طرح حضرت مریم اپنی زندگی کے لئے کھانے کی محتاج تھیں اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی اپنی زندگی کے لئے کھانے کے محتاج تھے۔ دونوں کو ایک آیت میں رکھ کر یہ بتایا کہ جس طرح وہ فوت ہو گئیں، حضرت عیسیٰ بھی فوت ہو گئے۔ وہ دونوں کبھی کھانا کھاتے تھے اور زندہ تھے اب نہ کھانا

کھاتے ہیں نہ زندہ ہیں۔

چہارم۔اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا (31:19) اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ یہ کس قدر واضح دلیل حضرت عیسیٰ کی وفات پر ہے۔ کیونکہ یہاں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کو لازم قرار دیا گیا ہے جب تک وہ زندہ رہیں۔اب اگر آسمان پر نماز اور وضو اور طہارت وغیرہ کا انہیں متکلف بھی خیال کر لیا جائے تو زکوٰۃ کس کو دیتے ہوں گے۔

پنجم۔وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّ ھُمْ یُخْلَقُوْنَ۔اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (21-20:16) جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود مخلوق ہیں وہ سب مر چکے ہیں۔ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ انہیں کب اُٹھایا جائے گا۔ظاہر ہے کہ یہاں ان معبودوں کا ذکر ہے جو انسانوں میں سے بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ بعد موت اُٹھائے جانے کا بھی ذکر ہے۔اور ان سب کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ مر چکے ہیں۔اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ان معبودوں میں سے دنیا میں اول نمبر تو حضرت مسیح کا یہی ہے۔اگر وہی زندہ ہیں تو یہ ساری دلیل بے معنی ہے۔غرض ان آیات سے کھلے طور پر ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ نہیں

فوت ہو چکے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا دیگر انبیاء کی طرح فوت ہو جانا قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر بنظر اختصار میں ان کو چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ فی الحقیقت صراحت سے ایک آیت سے بھی ایک بات ثابت ہو جائے تو کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

حضرت عیسیٰ کی وفات پر ایک اور گواہی:

احادیث میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے کا ذکر کسی مرفوع حدیث میں نہیں وہاں ایسی احادیث پائی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ خود حدیث معراج کو دیکھا جائے تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حدیث معراج میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کو ایک ہی جگہ دیکھا۔ اب حضرت یحییٰ بالاتفاق وفات پا چکے ہیں۔ اور زندہ اور وفات یافتہ کے لئے الگ الگ حالت اور الگ الگ مکان ہیں۔ پس حضرت عیسیٰ کا حضرت یحییٰ کے ساتھ ہونا صاف بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی وفات یافتہ تھے۔ حدیث معراج کی کسی راویت میں اشارہ تک نہیں کہ آپ نے حضرت عیسیٰ کو اور حالت میں دیکھا اور دوسرے انبیاء کو اور حالت میں دیکھا۔ پھر اس کے علاوہ

ایک حدیث ابن کثیر جلد 2 صفحہ 246 اور الیواقیت والجواہر صفحہ 22 پر اور زرقانی جلد 6 صفحہ 374 پر منقول ہے جس کے الفاظ ہیں لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وُسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ (یاَمکَانَ مِنَ اتِّبَاعِہٖ) اگر موسیٰ و عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت شدہ سمجھتے تھے۔ ایسا ہی ایک اور حدیث ابن کثیر جلد 2 صفحہ 242 اور زرقانی جلد 1 صفحہ 42 پر منقول ہے جس کے الفاظ ہیں اِنَّ عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِأَۃَ سَنَۃٍ حضرت عیسیٰ ایک سو بیس برس تک زندہ رہے۔ یہ حدیث بھی بصراحت بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے اور ان کی وفات ایک سو بیس برس کی عمر میں ہوئی۔ اور زرقانی میں ہے اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیْ فِی الْکَبِیْرِ بِسَنَدٍ رِجَالُہٗ ثِقَاتٌ عَنْ عَائِشَۃَ یعنی یہ روایت طبرانیؒ نے کبیر میں ایسی سند سے حضرت عائشہ سے بیان کی ہے جس کے راوی معتبر ہیں۔ اور اس کے ابتدائی حصہ میں ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں حضرت فاطمہؓ سے فرمائی تھی۔ اور اس کے آخر پر ہے کہ میں ساٹھ سال کے سر پر وفات پانے والا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں وضعی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے کہ ان میں حضرت عیسیٰ کے وفات پانے کا ذکر ہے حالانکہ

عام خیال اس زمانہ میں یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ائمہ اربعہ میں سے امام مالک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔ جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں لفظ حکم کی بحث کے نیچے ہے وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے۔

امام ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ جلالین معہ کمالین صفحہ 109 پر ہے وَتَمَسَّکَ ابْنُ حزْمٍ بِظَاهِرِ الْآیَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهٖ یعنی ابن حزم آیت یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (55:3) کو ظاہر پر حمل کرکے ان کی (حضرت عیسیٰ کی) موت کے قائل ہیں۔اور محی الدین ابن عربی کا مذہب نزول ابن مریم کے متعلق یہ ہے وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلّقِهٖ بِبَدَنٍ آخَرَ یعنی ان کا نزول آخری زمانہ میں دوسرے بدن کے ساتھ ہو گا۔ جس کو صوفیوں کی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں۔ اور اقتباس الانوار صفحہ 52 پر ہے وبعضے بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند ونزول عبارت ازیں بروز است۔یعنی بعض (اہل اللہ) اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ کی روح مہدی میں بروز کرے گی اور نزول سے مراد یہی بروز ہے۔ یہ دونوں اقوال حضرت عیسیٰ کے نزول کے مسئلہ کو بالکل صاف کر دیتے ہیں۔

نزول ابن مریم سے مراد کسی دوسرے شخص کا آنا ہے:

اوپر کے دونوں اقوال سے یہ ظاہر ہے کہ پہلے بھی بعض اولیاء اللہ اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول جس کا ذکر احادیث میں ہے اس

سے مراد بروزی نزول ہے ☆ یعنی حضرت عیسیٰ کی روحانیت کا کسی دوسرے شخص میں ظاہر ہونا۔ اور خود حدیث نزول میں اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور کہہ کر اور یہ بتا کر کہ وہ عیسیٰ ابن مریم، جس کے نازل ہونے کا ذکر ہے، وہ مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہی ایک شخص ہو گا، اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ کی وفات کا بالتصریح ذکر فرما کر دوسرا قرینہ اس

☆ لفظ نزول سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ نزول کے لئے لفظ کا استعمال زبان عرب میں بہت وسیع ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ (26:7) ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانکتا ہے۔ حالانکہ لباس سوت سے اور سوت کپاس سے اور کپاس زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ اور فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (25:57) اور ہم نے لوہا نازل کیا۔ حالانکہ لوہا زمین سے نکلتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کرنے کو بھی لفظ اَنْزَلَ سے ہی تعبیر کیا ہے قَدْاَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا (65:10-11) اللہ نے تم پر ذکر نازل کیا یعنی رسول۔ پس نزول ابن مریم سے مراد صرف ابن مریم کا آنا ہے۔ اوپر سے اُترنا اس کے معنے میں ضروری نہیں۔

اس بات پر قائم کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ خود آنے والے نہیں بلکہ ان کی صفات یا روحانیت کا کسی دوسرے شخص میں ظہور ہو گا۔ اور یہ احادیث بخاری ہی میں ہیں۔ اور ان میں حضرت عیسیٰ کا حلیہ اور دیا ہے اور آنے والے مسیح کا حلیہ اور دیا ہے۔ حالانکہ نام وہاں بھی ایک ہی ہے۔ چنانچہ باب وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ کے نیچے حدیث معراج میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَلَقِيْتُ عِيْسٰى . . . فَقَالَ رَبْعَةٌ اَحْمَرُ میں عیسیٰ کو ملا فرمایا وہ متوسط گورے رنگ کے تھے۔ اسی حدیث میں حضرت موسیٰ کا حلیہ بھی دیا ہے۔ یہ ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے۔ اس کے ساتھ ہی ابن عمر ؓ کی روایت ہے جس میں حضرت عیسیٰ کا ذکر ان الفاظ میں ہے فَاَمَّا عِيْسٰى فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ یعنی عیسیٰ گورے، گھونگریالے بالوں والے، فراخ سینے والے تھے۔ اور آگے چل کر جہاں مسیح الدجال کے ساتھ مسیح ابن مریم کا ذکر کیا ہے جو گویا آنے والے مسیح ہیں۔ وہاں فرمایا وَّاَرَانِيَ اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فِي الْمَنَامِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَا يُرٰى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهٗ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجُلُ الشَّعَرِ . . . فَقَالُوْا هٰذَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ آج رات کو خواب میں مَیں نے اپنے آپ کو کعبہ کے پاس دیکھا۔ سو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی گندم گوں رنگ کا گندم گوں لوگوں میں سے نہایت خوبصورت اس کے سر کے بال کانوں سے سے نیچے کندھوں کے درمیان

پڑے ہوئے تھے اور وہ سیدھے بالوں والا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا یہ مسیح ابن مریم ہے۔اور اس کے ساتھ ہی دوسری حدیث میں لفظ ہیں قَالَ بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْکَعْبَۃِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ بَسْطُ الشَّعَرِ فَقُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالُوْا اِبْنُ مَرْیَمَ خواب کی حالت میں دیکھتا ہوں کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں تو ایک شخص گندم گوں سیدھے بالوں والا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا یہ ابن مریم ہے۔ پہلی دونوں حدیثوں میں جہاں معراج کی رات میں انبیاء کے ساتھ عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا تو دونوں حدیثوں میں یہ فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم گورے رنگ کے اور گھونگریالے بالوں والے تھے۔اور یہاں دونوں حدیثوں میں جہاں طواف کعبہ میں ابن مریم کو دیکھنے کا ذکر ہے اور اسی حدیث میں دجال کا بھی ذکر ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ مسیح ہیں جو اس اُمت میں آنے والے ہیں۔ تو ان کا حلیہ یہ بیان فرمایا کہ رنگ گندم گوں اور بال سیدھے۔ ان دلیلوں کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ قرآن و حدیث کی رو سے حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل اور آنے والے مسیح دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔اور ایک نام دینے کی غرض یہ تھی کہ یہ بتایا جائے کہ روحانیت کے رنگ میں یا صفات کے رو سے دونوں ایک ہیں۔[اگر مسیح ناصری علیہ السلام اور آنے والا عیسیٰ ابن مریم دونوں ایک ہی شخصیت ہوتے ۔اور آنے والا عیسیٰ ابن مریم بھی وہی ہوتا جن سے

حضور اکرم ﷺ معراج میں پہلے ملاقات فرما چکے تھے، تو حضور ﷺ کبھی یہ سوال نہ کرتے کہ یہ گندم گوں شخص کون ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ کا سوال پوچھنا ہی اس سارے معمے کی مفتاح ہے۔افسوس! اس اہم ترین بنیادی نکتے پر مسلمانوں کا دھیان نہیں گیا۔ویب ماسٹر]

نزول یا دوبارہ آمد کی پیشگوئی پہلی کتب میں:

ایک اور بڑا بھاری قرینہ،اس بات پر کہ نزول یا دوبارہ آمد کی پیشگوئی سے مراد خود اس شخص کا آنا نہیں ہوتا بلکہ اس کی صفات یا اس کی روحانیت کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا آنا ہوتا ہے، پہلی کتب مقدسہ میں ملتا ہے۔ لیکن اس بات کی کوئی نظیر پہلی کتب میں نہیں ملتی کہ کبھی ایک ہی شخص دوبارہ دنیا میں آیا ہو۔ بائبل کی ایک کتاب میں یہ پیشگوئی ہے ''خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیا نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا (ملاکی 5:4اور 2 سلاطین 1:3اس کی بنا پر یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت الیاسؑ زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے ہیں۔اس لئے وہ پیشگوئی سے یہی سمجھتے تھے کہ حضرت مسیح کے زمانہ سے پیشتر حضرت الیاس دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔ چنانچہ جب حضرت مسیح ظاہر ہوئے تو علمائے یہود نے یہی اعتراض ان کے سامنے پیش کیا اور اس کا جواب حضرت مسیح نے یوں دیا'' اور اس کے شاگردوں نے اس سے کہا پھر فقیہ

کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آوے گا اور سب چیزوں کا بندوبست کرے گا۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا۔ لیکن اُنہوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ تب شاگردوں نے سمجھا کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا'' (متی 11:17-13) اور یہی ذکر مرقس کی انجیل میں بھی ہے۔ اور لوقا کی انجیل میں حضرت یحییٰ کے ذکر میں یہ لفظ ہیں ''اور وہ اس کے آگے الیاس کی طبیعت اور خو کے ساتھ چلے گا۔'' اب یہاں ایک تو عہد نامہ قدیم کی شہادت ہے کہ حضرت الیاسؑ کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی تھی اور اس عہد نامہ جدید کی تین انجیلوں کی شہادت ہے کہ حضرت مسیح پر اعتراض ہوا تو اُنہوں نے یحییٰ کو الیاس قرار دیا۔ اور اس کی وجہ یہ قرار دی کہ وہ الیاس کی خو اور طبیعت میں آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کو امکانی طور پر تحریف نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے کہ پرانے عہد نامہ اور جدید عہد نامہ دونوں کی شہادت اس پر ہے۔ اور پھر حضرت مسیح کے دعوٰی کے خلاف یہ ایک زبردست امر تھا۔ اس لئے عیسائی تحریف کرکے خود حضرت مسیح کے دعوٰی کو کمزور نہ کرسکتے تھے۔ اور یہ درحقیقت ایک نمونہ سے واضح کردیا گیا تھا کہ خود حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی سے غلطی نہ لگے۔ کیونکہ الیاس کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کا مفہوم صاف بتادیا گیا کہ اس سے

مراد انہی صفات کے کسی دوسرے آدمی کا آنا ہے۔ تو حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی پر قرآن و حدیث کی شہادت کے علاوہ سابقہ کتب کی شہادت بھی ہو گئی کہ اس سے مراد ایک مسیحی صفت مجدد کا آنا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ جب بانی سلسلہ احمدیہ نے مجدد ہونے کا دعوٰی کیا تو اس دعوٰی کے اندر ہی وہ لفظ موجود تھے۔ جن سے آپ کا مسیح موعود ہونا ثابت ہوتا تھا۔ حالانکہ اس کا انکشاف آپ پر کوئی سات آٹھ سال بعد ہوا۔ چنانچہ دعوٰی مجددیت کے یہ الفاظ

قابل غور ہیں:

> ''اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے۔''

پیشگوئیوں میں مجاز:

اِن دلائل کی صحت پر ادنیٰ شبہ کی گنجائش بھی نہیں۔ لیکن بایں یہ کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے کھلے کھلے ذکر کے باوجود اس سے مجازاً ان کا کوئی ہم صفت مراد کیوں لیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ جب ایک عبارت ظاہر پر محمول نہ ہو سکے تو لازماً اس سے مراد مجاز لیا جائے گا۔ اور یہ امر یقینی طور پر

ثابت ہے کہ ''عیسیٰ ابن مریم'' کو ظاہر معنے پر محمول کرنے سے قرآن کریم کی ، احادیث کی بلکہ خود حدیث نزول کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اس لئے مجاز مراد لینے پر ہم مجبور ہیں۔ لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو خود اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہاں ظاہر کے معنے مراد لئے جاسکتے ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں مسیح ابن مریم کا کام لکھا ہے یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخَنْزِیْرَ اب اس کو اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ حضرت عیسیٰ نازل ہو کر تمام دنیا میں صلیبیں توڑتے پھریں گے اور سؤروں کو مارتے پھریں گے۔ اور یہ ایسا کام ہے جو آج تک کسی نبی ولی مجدد کے سپرد نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی مامور ہوا، خواہ نبی کے رنگ میں مامور ہوا یا مجدد کے طور پر، اس کا کام اصلاح خلق یا حفاظت دین ہی ہوا۔ اس لئے لازماً ہم کو یہاں مجازی معنی مراد لینے پڑیں گے۔ کہ صلیب چونکہ عیسائی مذہب کا نشان ہے، اس لئے کسر صلیب سے مراد ابطال عیسویت ہے۔ اور اسی طرح خنزیز چونکہ نجاست اور پلیدی پر منہ مارتا ہے اس لئے قتل خنزیر سے بعض خبیث صفات کا کسی قوم کے اندر سے دور کرنا ہو سکتا ہے۔ لیکن فی الواقعہ لکڑی یا چاندی یا سونے کی صلیبوں کو توڑتے پھرنا اور سؤروں کو مارتے پھرنا ایک نبی یا مجدد کا کام نہیں۔ اور ایک ادنیٰ عالم کے بھی یہ شایان شان نہیں۔ چہ جائیکہ ایک نبی کو دو ہزار سال سے اس غرض کے

لئے زندہ رکھا جائے۔اور حق یہ ہے کہ پیشگوئیوں میں اکثر استعارہ اور مجاز کا ہی دخل ہوتا ہے۔اور یہی حال ابن مریم کی پیشگوئی کا ہے۔جس میں الفاظ ابن مریم اور کسرِ صلیب اور قتل خنزیر سب مجازاً آئے ہیں۔اور جو شخص یہ اصرار کرتا ہے کہ ابن مریم سے سوائے ظاہر کے اور کوئی مراد نہیں لی جاسکتی ہے تو وہ صرف قرآن کریم اور احادیث کی ہی تکذیب نہیں کرتا بلکہ ابن مریم کا کام بھی ایسا تجویز کرتا ہے جو کسی خدا کے مامور کی طرف منسوب کرنا، نہ صرف بے معنی ہے، بلکہ ماموریت پر جگ ہنسائی کرانا ہے۔

اگر پیشگوئی میں مجاز مراد نہ لیا جائے

تو احادیث سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے:

اگر ابن مریم، کسر صلیب، قتل خنزیر کے الفاظ کو مجاز پر محمول نہ کیا جائے تو پھر سوائے اس کے چارہ نہیں کہ احادیث کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ فرضی قرار دینا پڑتا ہے۔یعنی نہ صرف ان احادیث کو وضعی ماننا پڑے گا جن میں ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے اور بخاری اور مسلم دونوں کی کتابوں میں ایسی احادیث کئی ایک ہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک بڑا بھاری ذخیرہ احادیث کا وضعی ماننا پڑتا ہے۔یعنی وہ احادیث جن میں دجال کا، یاجوج ماجوج کا، دابتہ الارض کا اور ایسا ہی بعض دیگر فتنوں کا ذکر ہے جو اس موجودہ زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جن میں سے بعض

پیشگوئیاں ایسی کھلی کھلی پوری ہو چکی ہیں کہ آج وہ مسلمان بھی، جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہیں، ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا مان لیا جائے تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ عیسیٰ ابن مریم کے آنے کی پیشگوئی بھی پوری ہو چکی ہے۔ یہ معاملہ ایک معمولی معاملہ نہیں، جسے ایک خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے والا بے پروائی کی نظر سے دیکھ سکے۔ فروعی مسائل میں ہمارے اندر سینکڑوں اختلافات ہوں ہرج نہیں۔ ایک شخص اگر ایک حدیث کی بناء پر ایک مسئلہ کو درست مانتا ہے اور دوسرا اس کے خلاف دوسری حدیث کی بناء پر دوسرے مسئلہ کو درست مانتا ہے تو اس میں صرف ایک حدیث کو ماننے اور دوسری کو رد کرنے کا سوال ہے۔ لیکن احادیث نزول ابن مریم، احادیث آثار قیامت وغیرہ احادیث سب ایک ذیل میں آتی ہیں۔ اور دو حال سے خالی نہیں۔ یا ان کو بحیثیت مجموعی قبول کرنے کے یہ معنے نہیں کہ ان کے ایک ایک لفظ پر ایمان لایا جائے۔ کیونکہ ان میں یقینا راویوں کے خیالات کی کچھ ملاوٹ بھی ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا قبول کرنا یہی ہے کہ ان میں جو اُمور مذکو رہیں ان کو ظاہر طور پر یا مجاز کے رنگ میں درست مانا جائے۔ جیسا کہ قرائن سے اور غالب شہادت سے معلوم ہو۔ اور یا ان کو کلیۃً رد کیا جائے۔ دوسری صورت کو اختیار کرنے کے یہ معنے ہیں کہ اس سارے مجموعہ حدیث کو، جن میں ان اُمور

کا ذکر ہے، اکاذیب اور اباطیل کا مجموعہ قرار دیا جائے۔ اور ایسی جرأت ایک مسلمان سے، جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے، ہو نہیں سکتی۔ اور علاوہ ازیں یہ ایسا بے اصولا پن ہو گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ساری تاریخ کو ہی باطل قرار دینا پڑے گا۔ اور دنیا میں کوئی امر بھی قابل اعتبار نہ رہ جائے گا۔ یہ اسلام کے ساتھ ایک بڑی بھاری بے انصافی ہو گی کہ جو امور ظاہر رنگ میں یا مجاز کے طور پر پورے ہو کر مسلمانوں کے ازدیاد ایمان کا موجب ہو سکتے ہیں انہیں محض اس لئے رد کر دیا جائے کہ ان کی وجہ سے نزول ابن مریم کو ماننا پڑتا ہے۔

[بالکل یہی تعبیر و تاویل عصر حاضر کے عالمی شہرت یافتہ عالم دین مولانا وحیدالدین خان صاحب ؒ پیش کرتے ہیں۔ دیکھوان کی کتاب ''قیامت کاالارم''۔یہ کتاب ہمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔ ویب ماسٹر]